## تعارف وتبصرۂ کتب

| | | | |
|---|---|---|---|
| کتاب کا نام: | جو دیکھا، لکھا | مصنف: | پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد زبیری مرحوم |
| ناشر: | بزمِ سائنسی ادب۔ کراچی | صفحات: | ۴۴۴ |
| تبصرہ نگار: | محمد اسحاق منصوری (مدیر "معارف مجلۂ تحقیق"۔ کراچی) | | |


## ABSTRACT

*The book under review, Jo Dekha, Likha (loosely translated: Written, exactly what I have seen), is a collection of essays by Professor Dr Waqar Ahmed Zuberi who passed away in July this year. The book has four sections which include Urdu essays on science, personalities, literature, and miscellaneous. The section on science is replete with many interesting and informative essays, showing his innate interest in the field. The publisher Bazm-e Science Adab, Karachi was duly attracted to print the text. The writer was also its member and had long association with it. Many of its essays were read out in its regular monthly sittings held for decades in Karachi. The section on personalities shared his rich memories ranging from his family members to many professionals whom he met during his formative years and professional life. This section also evidences how he was gifted with writing lucid Urdu prose. The section on literature has many good essays on books and literary personalities. The writer and poets include Inayat Ali Khan, Nasir Shahzad, Aijaz Rehmani, Rehman Khawar, Yonus Ramz, Shaheen Habib, Rehman Kiyani, Zafar Muhammad Khan, Naeem Siddiqui and Shagufta Anjum. Its miscellaneous section is brief but sheds light on some of the burning issues of our society. Here in one of his articles, Professor Zuberi has rightly pointed out that only inspiring teacher can bring a positive and lasting change.*


**Keywords:** Essays on science and literature, Bazm-e Science Adab, know literary personalities.

ڈاکٹر وقار احمد زبیری مرحوم کے متفرق مضامین کا مجموعہ "جو دیکھا لکھا" اُن کے شاگردوں اور عقیدت مندوں نے ان کی زندگی ہی میں شائع کر دیا تھا، اس اعتبار سے وہ خوش قسمت ہیں، مجھے فون کر کے اس کی اشاعت کی اطلاع انہوں نے ہی دی تھی اور ایک نسخہ میرے دفتر میں بھجوا بھی دیا تھا۔

پروفیسر مرحوم، ۲ جولائی ۲۰۱۹ء بروز منگل اس دارِ فانی سے دارِ خلود کی طرف کوچ کر گئے، ان کی نماز جنازہ ۳ جولائی کو مسجد شاہ فیصل گلشن اقبال کراچی میں بعد نماز ظہر ادا کی گئی جس میں شہر کے اہل علم وادب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

"جو دیکھا لکھا" کے مضامین ایک گلستان کے پھولوں کی طرح ہیں، ہر پھول کی خوشبو الگ اور رنگ جدا ہے، مگر سائنس ہی نے سمجھا دیا ہے کہ ہر پھول میں کچھ اجزا مشترک ہوتے ہیں۔ اسی طرح پروفیسر زبیری مرحوم کے مجموعہ

مضامین میں بزم سائنسی ادب، سائنس اور اردو کالج کا رنگ ہے اور اسلام اور انسانیت سے پیار و محبت کی خوشبو مہک رہی ہے۔ مرحوم نے "میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر پوری زندگی کا لمحہ لمحہ اسی کے لیے صَرف کیا۔ پاکستان میں سائنسی ادب کا فروغ اور اردو زبان کی ترقی واشاعت کے لیے کوشاں رہے۔

ڈاکٹر زبیری صاحب کے ذریعے جو نسخہ مجھے ملا اس کی بتدا صفحہ نمبر ۹ سے ہوتی ہے۔ ۹ صفحات زمین کھا گئی، شاید یہ بھی ۹/۱۱ کے اثرات ہیں، الٰہی ماجرا کیا ہے، سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی، نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم۔ کتاب کی ابتدا پیش لفظ سے ہوتی ہے، مجھے نہ فہرست مضامین ملی ہے نہ ہی دیگر رسمیاتِ کتاب۔

رفقائے بزم سائنسی ادب کے بے حد اور مسلسل اصرار پر ڈاکٹر صاحب اس کی اشاعت اور نظر ثانی کے لیے آمادہ ہوئے، ورنہ مرحوم کی درویشی، استغنا کی کیفیت اور مسلسل مصروفیات میں پیچھے کی طرف دیکھنے کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل کام تھا، وہ ششماہی معارف مجلہ تحقیق کے سرپرست اور نگراں تھے، لیکن نام کے نہیں بلکہ فی الواقع وہ ہر شمارہ کو بڑی باریک بینی کے ساتھ دیکھتے تھے۔ زبان و اسلوب کی اصلاح کے علاوہ مقالات کے موضوعات اور مندرجات پر بھی اپنی آرا درج کرتے تھے۔ "معارف مجلہ تحقیق" کے تسلسل کے ساتھ اجرا میں مرحوم ڈاکٹر صاحب کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ بیماری کے باوجود ہمیشہ مجلہ کے لیے فکر مند رہتے تھے، آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

ڈاکٹر زبیری مرحوم کی اس "خوب سیرت" کتاب پر تعارف و تبصرہ لکھوانے کے لیے مجھے کافی غور و خوض کرنا پڑا، کئی بڑے لوگوں کے نام پردۂ ذہن پر آئے مگر ان سے درخواست کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔ البتہ کتاب کا قندِ مکرر کے طور پر مطالعہ کرنے کے بعد میری طبیعت میں کچھ بے چینی سی ہے جس کے ازالے کے لیے قلم کا سہارا لے لیا ہے۔ لیکن ہر گام پر ڈگمگا رہا ہوں کہ:

قاصد، نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے (میر درد)

یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے "جو دیکھا لکھا" مگر ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا اُس میں سے کچھ چھپا ہے، بہت کچھ باقی ہے۔ "جو دیکھا لکھا" کی کچھ باتیں جاوید احمد خورشید صاحب کی تحریر میں آچکی ہیں ان کی تکرار سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ اُن کی تحریر مختصر مگر جامع ہے۔

ہمارے موصوف نجیب الطرفین میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرح شہادت حق کے فریضے کو ادا کرنے والے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں جامعیت کے ساتھ اختصار بھی ہے۔ ادب

کی چاشنی، زبان کا چٹخارہ، محاوروں و تلمیحات کے ساتھ سلاست و روانی ہے۔ کتاب کو بظاہر مرتبین نے چار عناوین میں تقسیم کیا ہے (۱) سائنسی مضامین (۲) شخصیات (۳) ادبی مضامین (۴) متفرق مضامین۔ "جو دیکھا لکھا" نصف صدی نہیں بلکہ پوری ایک صدی کا قصہ ہے، سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا فن تو مرحوم ڈاکٹر صاحب ہی کو آتا تھا، ہم تو کوزہ کو سمندر میں بند کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت میرے نزدیک یہ ہے کہ اس میں ایک دردمند پاکستانی کے دل کی آواز ہے کہ پاکستان کی صحیح خطوط پر تعمیر و ترقی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کی سائنسی، علمی اور صنعتی بنیادیں کس طرح استوار کی جائیں؟ اس کی اخلاقی اور نظریاتی عمارت کس طرح تعمیر کی جائے؟

ولایت، پادشاہی علمِ اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اِک نکتۂ ایماں کی تفسیریں (اقبالؒ)

ڈاکٹر زبیری مرحوم کی تحریروں کا یہ مجموعہ میری نظر میں پاکستان کے بنیادی مسائل پر اتنی عمدہ کتاب ہے اس پر صاحبِ کتاب اور اہلِ کتاب (مرتبین) کو اہلِ علم کی قدر کرنے والی قوم ڈی لٹ کی اعزازی سند پیش کر کے سرخرو ہو سکتی ہے۔

سائنسی مضامین میں ایک مضمون "ہمیں نیند کیسے آتی ہے" (جو دیکھا لکھا، ص ۵۲۱۔۶۴۱) ہی کو دیکھ لیں، میں پڑھنے کے معاملے میں اب بحر الکاہل بن گیا ہوں مگر اس مضمون کو بالاستیعاب بالا معانی دو بار پڑھ کر نیند کے مزے لیتا رہا ہوں، جتنی خوبصورت میری نیند ہے یہ تحریر اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے: نیند وہی مزیدار ہوتی ہے جس میں آپ گھوڑے تو گھوڑے گدھے بھی بیچ ڈالیں اور آپ کے لیے یہ پُر سکون گہری نیند آنت میں موجود بیکٹیریا کے پیدا کردہ مادے ہیپنوٹاکسن کی بدولت ہے جو آپ کو لوری دے کر سُلا دیتا ہے، آپ صرف بیکٹیریا کے نیند لانے ہی کے شکر گزار نہ ہوں بلکہ آپ کی معمول کی نیند آپ کے مدافعتی نظام کو موثر بنانے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ "جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے"۔ اس محاورے میں اب آپ کچھ یوں ترمیم کر لیں، 'جو سوتا ہے وہ صحت مند رہتا ہے' (ص:۵۲۱)

اب ایک اور تحریر کو دیکھیں عنوان ہے "دل" آپ مختلف قسم کی مشینیں تو روز ہی دیکھتے ہوں گے، ریڈیو، ٹی وی، کار وغیرہ۔ مگر کیا آپ نے کبھی کوئی مشین دیکھی ہے جو مسلسل چلتی رہے۔

ذرا سوچیے! اگر آپ اپنے کمرے کے پنکھے کو کبھی بند ہی نہ کریں تو کیا ہو گا؟..... آپ جانتے ہیں کہ پنکھا ہو یا ریڈیو، کوئی مشین بھی مسلسل چلائی جائے تو جلد ہی خراب ہو جاتی ہے، مگر قدرت نے ایک ایسی مشین بنائی ہے جو جسامت میں آپ کی مٹھی کے برابر ہے.... اس کا وزن بھی بہت کم ہے یعنی صرف دس اونس، مگر یہ ننھی منی مشین عموماً اور مخصوص حالات میں سو سال تک مسلسل چلتی رہتی ہے.... تم سمجھ گئے ہو نا؟ کہ یہ مشین تمہارا دل ہے۔ (ص:۵۶)

ڈاکٹر صاحب نے "بچوں کے لیے عام فہم سائنسی مواد کی کمیابی" پر توجہ دلائی اور علاج پیش کیا بلکہ ساری زندگی اس پر خود عمل کر کے دکھایا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ہم نے قیام پاکستان سے لے کر آج تک نئی نسل کی تعلیم اور تربیت کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی ہے، کاغذ پر بہت کی ہے، عملاً نہیں کی ہے.... اب ہمیں دو مسائل کا سامنا ہے ایک یہ کہ جو بچے اسکول نہیں جارہے ان کا کیا ہو؟ یعنی ان کو کیسے اسکولوں میں لایا جائے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سائنسی فکر کیسے پیدا ہو؟ (ص:۲۷۔۲۸)

سائنسی معلومات کو خوبصورت، آسان اردو میں بیان کرنے میں انہیں خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ خاکہ نویسی، آپ بیتی، جگ بیتی سمیت کئی اصنافِ ادب پر اُن کو عبور حاصل تھا، دیکھیے "محسن پاکستان" کے عنوان سے اپنے ممدوح ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی تصویر کشی کس طرح کرتے ہیں "تاریخ شاہد ہے کہ کوئی پچاس سال ایسے نہیں گزرے جب مسلمانوں میں کوئی نابغۂ روزگار شخصیت موجود نہ رہی ہو، پاکستان کے پچاس سالوں میں قائداعظم کے بعد عبدالقدیر خان کی موجودگی اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے.... جادو تو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے، کام وہ ہوتا ہے جو دشمنوں سے بھی داد لے، ایسٹرینڈ ویکلی انڈیا نے لکھا "جیسے عبدالقدیر خان نے پاکستان کی خدمت کی ایسی کم لوگوں نے کی ہوگی، ڈاکٹر خان ایک ذہین سائنس دان اور ہر موقع پر اپنے کام سے مخلص اور بے ریا آدمی ہیں"۔ مغرب کا پورا پریس، سفارتی نمائندے، سرکاری ذرائع سب ایک ہی کام کرتے رہے، یعنی ڈاکٹر خان کے کارناموں کی تکذیب.... کام تو سارا ڈاکٹر ثمر مبارک مند کا ہے، بلاشبہ ڈاکٹر ثمر کا کام بہت اہم ہے، مگر یوں سارا کارنامہ ان کے نام کر دینا کسی طور پر مناسب نہیں ہے.... پیرس کے ہیرالڈ ٹریبیون نے ان کو بجا طور پر پاکستان کے جوہری پروگرام کا مرشد قرار دیا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ۱۹۵۲ء میں کھوکھراپار کی تپتی ریت پر آٹھ میل پیدل چل کر اس شان سے پاکستان میں داخل ہوئے تھے کہ ان کا سوٹ کیس ان کے سر پر تھا، اُس وقت انہوں نے اپنا وزن اٹھا رکھا تھا مگر آج انہوں نے چودہ کروڑ لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر اٹھا رکھی ہے۔ وہ ایسے فرد ہیں کہ جب ایک بار مقصد حیات کا تعین کر لیتے ہیں تو پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھتے، آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں، ان پر مقدمات چلائے گئے، سزا بھی سنا دی گئی، کام بند کر دینے کے لیے ہر قسم کے لالچ دیے گئے، الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی، کہوٹہ پر بمباری کر دینے کی دھمکی بلکہ عملاً کوشش تک کر لی گئی مگر سب نے دیکھا کہ آسمان پر تھوکنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہ تو سرخرو ہی رہے، انہوں نے ساری قوم کو احساسِ تحفظ عطا کیا کہ جیسے اب کوئی خطرہ نہیں ہے.... ڈاکٹر عبدالقدیر خان! پوری قوم آپ کو اور آپ کی ٹیم کو سلام کرتی ہے۔ (ص:۲۵۲۔ ۲۵۶)

ڈاکٹر زبیری نے کئی ادبی شخصیات کے خاکے اور اُن کے بارے میں مضامین لکھے، اِن میں اعجاز رحمانی، رحمان خاور، یونس رمز، شاہین حبیب، رحمان کیانی، ظفر محمد خان ظفر، جناب نعیم صدیقی، شگفتہ انجم، پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم شامل ہیں۔ عبدالسلام نعیم صدیقی اس صدی کا وہ مظلوم شاعر ہے جس پر اغیار تو پوری زندگی تیر برساتے رہے اپنوں نے بھی نہ زندگی میں صحیح قدردانی کی اور مرنے کے بعد تو فراموش ہی کر دیا ہے۔ ادب کا ادنیٰ طالب علم ہوں، میری رائے یہ ہے کہ اس دور میں نظریاتی شاعری میں اقبال کے بعد اُن ہی کا مرتبہ و مقام ہے۔

جمعیت الفلاح کراچی کے مذاکرے میں اُن کی پڑھی گئی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ "ستمبر ۲۰۰۲ء میں ان کا انتقال ہوا تو ہم نے اِن کو یاد رکھنے کے لیے کیا کیا؟ کوئی اکیڈمی بنی، کوئی ادارہ ان کے نام سے منسوب ہوا، کوئی مذاکرہ کوئی مباحثہ.... میرے علم کے مطابق ان دس برسوں میں "عفت" کا نعیم صدیقی نمبر ۲۰۰۴ء میں اور ۲۰۱۱ء میں عبداللہ ہاشمی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "نعیم صدیقی کی علمی اور ادبی خدمات" کے عنوان سے شائع ہوا۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا وہ ایسے ہی معمولی فرد تھے کہ ہم اس سے مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا، حضرات! ہمارا یہ رویہ محض نعیم صدیقی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے اکابرین کے ساتھ ہمارا عمومی رویہ یہی ہے، اب توجہ فرمائیں تو ایک لمبی فہرست بن جائے گی جو بہت اہم لوگ تھے مگر ہماری لاپروائی سے وقت کی گرد میں دب گئے۔ حضرات! اس کا اعتراف کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ نعیم صدیقی کی خدمات اوران کے کمالات کا بھرپور احاطہ کرنے کی صلاحیت مجھ میں نہیں، کیونکہ ان کی پوری زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے(۱) جماعت اسلامی سے وابستگی (۲) ان کی ادبی مصروفیات۔ (ص:۳۹۰) جماعتِ اسلامی کے حوالے سے ان کی مصروفیات اور افکار و نظریات سے اختلاف رائے کا حق سب کو حاصل ہے مگر ان کی ادبی عظمت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ان کے ادبی کمالات پر کوئی بھرپور گفتگو اس مختصر سے وقت میں نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ ادب کی کوئی صنف ایسی نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنے تابندہ نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ افسانہ، ڈرامہ، سفر نامہ، خاکہ نگاری، سیرت نگاری، اہم معاملات پر تحقیقی مقالات، طنز نگاری اور پھر شاعری میں، اس وقت ان کی شاعری پر ہی کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میری نظر میں ان کا شمار نظم کے بڑے شعرا میں کیا جانا چاہیے۔ حالانکہ میں کیا اور میری نظر کیا، لیکن نظم میں ان کو بہت اہمیت دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ان کی غزل کی شاعری کو کمتر کہہ رہا ہوں، بالکل نہیں۔ درست بات یہ ہے کہ انہوں نے شعوری طور پر غزل سے اجتناب کیا، انہوں نے کہا "صنفی استعماریت کا آنچل الگ کر کے غزل کبھی غزل نہیں رہ سکتی۔ اس میں قدیم شاعری کا بڑا دخل ہے جو پاکیزہ استعماریت سے آگے بڑھ کر صراحت بلکہ کبھی کبھی عریانی، بیہودگی اور بازاری پن تک جا پہنچتی ہے۔ میں نے غزل سے اجتناب کر کے نظم

کو اپنا میدان بنالیا"۔ مگر حضرات! نعیم صدیقی صاحب بھی مکمل اجتناب نہ کر سکے۔ غزل کو وحشی صنف سخن کہنے والے، غزل کو منحوس صنف کہنے والے، کبھی اس کی مقناطیسیت سے نہ بچ سکے، ہاں یہ ضرور ہوا کہ نعیم صدیقی کی غزل میں ان کا مخصوص رنگ بہت واضح نظر آتا ہے، چند اشعار دیکھیے:

☆لکھ تو دی ہیں کھری کھری باتیں
لیکن اب نامہ بر کی خیر نہیں
یا قفس ہی کی شامت آئی ہے
یا میرے بال و پر کی خیر نہیں
☆ گر حریت کے گیت ہی گانے کا ہے جنوں
زنجیر قید اپنے لیے خود اٹھا کے چل
☆ وہ دل کے زخم ہیں جو اپنی تیز ٹیسوں سے
مرے کلام کو شعری جمال دیتے ہیں
☆ یہ اپنے خداوند سے بچھڑا ہوا بندہ
پوجا کے لیے روز بناتا ہے خدا اور

یہ مضمون پوری نظموں کا متحمل نہیں ہو سکتا، ان کی معروف نظموں کے چند بند اس لیے پیش کرتا ہوں کہ ان کی لفظیات، ان کا ردھم، ان کی روانی، موضوع پر گرفت اور ان کے مخصوص آہنگ کا اندازہ ہو سکے۔ قرارداد مقاصد پاس ہونے کے بعد اسلام کی سربلندی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تو انہوں نے "تضاد" کے عنوان سے کہا:

زمانے بھر کی امامت کے مدعی بن کر
رہِ حیات میں گم ہو گئے کہاں آخر
نمازِ عشق اقامت کی منتظر ہے ابھی
اذاں پکار کے تم سو گئے کہاں آخر

"جہان نو" (جس میں نعیم صاحب پابندی سے لکھتے تھے) پر پابندی لگی جب دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا تو انہوں نے سیفٹی ایکٹ کے کارپردازوں کے نام نظم لکھی، مولانا مودودیؒ سے ان کی قربت سب کو معلوم ہے کہ یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ ان کے انتقال پر انہوں نے ایک طویل نظم "شاہ بلوط" کہی، جس سے ان کا کرب اور اذیت واضح ہے۔ اپنی رفیقۂ حیات پر ان کی نظم "اگر تم ساتھ نہ دو" کو بھی شاہکار نظموں

میں شامل کیا جانا چاہیے۔ عدنان مندریس کی شہادت پر ان کی نظم کو دیکھیے کہ جیسے الفاظ سے خون رِس رہا ہے، وہ خود کہتے تھے کہ کشمکش کی شاعری بڑی شاعری ہوتی ہے جبر کے خلاف مزاحمت شعر کو جِلا دیتی ہے، لیکن جو شاعری بدی اور ظلم کی طاقتوں کے آگے سر تسلیم خم کر دے، اربابِ ظلم کی قصیدہ خوانی کرنے لگے، ضمیر کا سودا کرے، ایسی شاعری ذلت اور ضلالت کا تحفہ ہوتی ہے اور حسنِ ذوق کے ہاں مردود ٹھہرتی ہے، لاریب انہوں نے یہ سودا نہیں کیا، جتنی مہلت ملی، اس میں انہوں نے جابروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری جرأت اور دیانتداری سے اپنی بات کہی۔

"اب کسی کو اچھا لگے یا بُرا، میرا خیال ہے کہ اِس دور میں دو ہی انقلابی شاعر پیدا ہوئے، فیض اور نعیم صدیقی، دونوں انقلابی تھے، مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ جب فیض جیل میں تھے تو ان کا ایک قطعہ بہت مشہور ہوا تھا، نعیم صدیقی بھی کئی بار پسِ دیوارِ زنداں ہوئے ایک روزن سے آنے والی شعاع پر "شعاعی روزن" کے عنوان سے ایک طویل نظم کہی، دو بند دیکھیے:

سیاہ خانے میں باریک سادہ ایک روزن
افق امیدوں کا یہ آرزوؤں کا معدن
یہ میرے ماضی کا چشمہ، ہر حال کا مخزن
کہ جھانکتی ہے کبھی جس سے بھولی بھٹکی کرن
یہ ایک کرن کبھی آتی ہے مسکراتی ہوئی
یہ چشمِ شوق کو جامِ سحر، چلاتی ہوئی
یہ نغمے بربطِ الہام کے سناتی ہوئی
یہ آرزو کہ مقدس دیے جلاتی ہوئی

(ص: ۳۸۹۔۳۹۶)

مرحوم زبیری صاحب نے کئی کتابوں پر تبصرے لکھے، اُن کے تبصروں میں اختصار مگر جامعیت ہے مگر میں نے دانستہ ان کی کتاب پر تبصرے اور تعارف میں طوالت سے کام لیا ہے اِس بہانے سے اُن کی یاد کو طول دیا جائے اور اُن کی تحریر سے ہمارے زیادہ سے زیادہ قارئین مستفید ہو سکیں۔

"جو دیکھا لکھا" میں اور بہت کچھ ہے جس کے لیے کتاب کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کتاب اخباری کاغذ پر چھاپی گئی ہے، میرے نسخے میں قیمت کا اندراج نہیں۔ اب "پیش لفظ" سے اقتباس پر اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔

چند دن ہوئے جب ڈاکٹر سردار احمد نازش، غلام اکبر ملک اور محمد سلیمان طاہر نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے میرے وہ مضامین جمع کر لیے ہیں جو بزم سائنسی ادب کی نشستوں میں پڑھے گئے یا کاروانِ سائنس میں چھپے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ان کو کمپوز کر لیا جائے اور ان کی خواہش یہ بھی ہے کہ ان کو چھپوا بھی لیا جائے.... پھر اس میں میرے بچوں کا اصرار بھی شامل ہو گیا تو میں نے کوشش کی کہ تلاش کے بعد جو مضامین مل جائیں انہیں بھی شامل کر لیا جائے.... کچھ پروفیسر حفیظ الرحمن صاحب نے اور رضی الدین خان نے فراہم کر دیے جو سائنس ڈائجسٹ میں چھپے تھے، کچھ ایسے بھی مضامین تھے جو یاد تو آئے مگر مل نہ سکے تو صبر کر لیا کہ شاید کسی اور کام آگئے ہوں"۔

مگر ان میں میجر آفتاب حسن صاحب، عظمت علی خاں صاحب اور جناب اکرام الرحمن صاحب کی مہربانی اور ان کا وہ غیر معمولی اعتماد بھی شامل ہے جس نے میرے قلم کو مہمیز دی.... میں اپنے بچوں اور اپنی اہلیہ کا بھی بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے ہر ممکن تعاون کیا کہ میں تدریس کے علاوہ یہ تخلیقی کام کر سکا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ان سب کو جزائے خیر عطا ہو۔(ص:۹۔۱۰)

ڈاکٹر وقار زبیری مرحوم کے کئی کتب پر لکھے گئے تبصرے بھی شامل ہیں، نئی صدی اور ادب، متاع نظر، جنت ارضی کی تلاش، انسان اگر بیدار ہو جائے، جناب عنایت علی خاں، دیدۂ بینا، مرحوم کے تبصرے مختصر مگر جامع ہیں، میں نے انتہائی بے تکلفی اور قرب کے باوجود انہیں ہمیشہ اپنا بزرگ اور استاد ہی سمجھا، اُن سے بہت کچھ سیکھا البتہ بعض امور میں اُن سے اختلاف رائے بھی ہوتا اور بڑے خوشگوار ماحول میں میری پوری بات سنتے، کبھی میری رائے کو مان کر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے۔ مثلاً ایک مقالہ میں مکہ میں بھیڑیوں کے غول کا ذکر تھا، ان کی رائے یہ تھی کہ علم حیوانات کے مطابق اس دور میں وہاں بھیڑیے نہیں پائے جاتے تھے، میں نے کہا کہ دورِ جاہلیت کے کئی شعرا نے بھیڑیوں کا بار بار ذکر کیا ہے تو انہوں نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا۔ اردو املا کے معاملے میں اکثر ان کی رائے کو ترجیح دیتا تھا، مگر ماہرین اردو کی عربی الاصل کلمات میں رائے تسلیم کرنا میرے لیے مشکل ہوتا ہے۔ جیسے کبریٰ، صغریٰ، حسنیٰ اور اعلیٰ کو وہ کبرا، صغرا، حسنا اور اعلا لکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اگر انہیں عربی زبان کی شدبد ہوتی تو وہ اصرار نہ کرتے، کیونکہ قرآن کے مروجہ املا کے خلاف کسی بھی رسم الخط اور املا کو عربی زبان و ادب کے ماہرین نے کسی دور میں تسلیم نہیں کیا، ورنہ کتابت قرآن میں تبدیلی کرنا پڑے گی۔ البتہ عربوں کے اتباع میں میں امریکہ برطانیہ وغیرہ لکھتا تھا، مگر انہوں نے جب امریکا اور برطانیا لکھا تو میں نے بخوشی اُن کی تقلید کر لی۔ پھر قرآنی آیات میں لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کو حُسنا لکھنا پڑے گا اور یہ جرأت کوئی بھی عربی زبان کا ادنیٰ طالب علم بھی نہیں کر سکتا ہے۔

کلیہ علوم جامعہ کراچی کے پروفیسر ڈاکٹر قادری مرحوم پر "دوانہ مر گیا آخر کو!" کے عنوان سے شامل ہے، مرتبین اگر بریکٹ میں ان کا مکمل نام، تاریخ پیدائش و وفات لکھ دیتے تو اچھا ہوتا۔ ان کے قریبی حلقۂ احباب میں وہ اس نام سے معروف تھے لیکن کوئی عام قاری ڈاکٹر قادری یا پروفیسر قادری سے کیا سمجھے گا، میں نے ذہن پر کافی زور دیا مگر اب تک ان کا نام نامی اسم گرامی پردۂ ذہن پر ابھر نہیں رہا ہے، حالانکہ میرے لیے ان کا نام کبھی انتہائی معروف تھا۔(ص:۲۱۶۔۲۲۸)

یہ تعارف و تبصرہ ۱۸۔۵۔۲۰۱۹ء (۲ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ) کو لکھا گیا تھا، کتاب کی ایک کاپی دفتر میں اردو کے ایک اچھے ادیب کو برائے تبصرہ بھیجنے کے لیے دی گئی تھی اور کتاب کے آخری صفحے پر میں نے لکھا تھا کہ محترم پروفیسر ڈاکٹر وقار زبیری صاحب کا ایک لیکچر ادارۂ معارف اسلامی میں "بچوں میں سائنسی فکر کیسے پیدا کی جائے" رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ محترم پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد زبیری مرحوم کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے۔ وہ ہمیشہ بزبانِ حال کہتے رہے۔

نگاہِ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

ڈاکٹر صاحب مرحوم اصرار کرکے گھر بلاتے تھے اور خوب خاطر مدارات کرتے، میرے اصرار کرنے پر دو بار میرے غریب خانے پر تشریف لائے ایک بار حاجی یونس صاحب مرحوم سے ان کی کئی گھنٹوں پر محیط نشست رہی جس میں حاجی صاحب نے بتایا کہ "میری طویل عرصے سے خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر وقار زبیری سے ملاقات کا شرف حاصل کروں۔ ڈاکٹر زبیری میرے آئیڈیل اہل علم ہیں، میرے پاس ان کی تحریریں محفوظ ہیں"۔ دوسری بار ہمارے والد محمد زکریا صاحب مرحوم سے اقبال اور نعیم صدیقی پر طویل گفتگو رہی، والد صاحب مرحوم کو اقبال اور نعیم صدیقی کے سیکڑوں اشعار یاد تھے، وہ بھی ڈاکٹر مرحوم سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میرے دونوں بزرگ جب تک زندہ رہے ہیں ملاقات کے خوشگوار لمحات کو یاد کرتے رہے کہ ڈاکٹر زبیری مرحوم سے مل کر دل خوش ہو گیا، ان کے علم اور حلم زبان دانی کی تعریف کرتے رہے۔